OPEN ACCESS
Al-Azvā الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 37, Issue, 58, 2022
www.aladwajournal.com

اسلامی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول اور دور جدید کے بین الاقوامی تعلقات

Basic Principles of Islamic Foreign Policy and International Relations of Current Era

Zaheer Ahmad (corresponding author)
Ph.D Scholar, Department of Islamic Thought and Civilization,
University of Management and Technology, Lahore

Tahira Basharat
Professor, Department of Islamic Thought and Civilization,
University of Management and Technology, Lahore

Abstract

KEYWORDS

International relations, Islamic fundamental rules, Torchbearer, Unique rules, Peace, Prosperity, Security, Oneness of Allah.

Islam covers all aspects of human life. It is not only a religion but also a complete code of life. Hazrat Muḥammad ﷺ is the last Rasool of Allah Almighty. All his life is a translation and interpretation of the Holly Qur'ān. In this article, it is proved that the fundamental rules of Islamic foreign affairs are the torchbearer and leader for the modern age world. If we make a deep study of Christianity, Judaism, Hinduism or any other religion or school of thought of the world we would not find a complete and permanent solution related topeace, security and prosperity in the world. Islam gives us the golden rules for one person, society or state in the field of making relations with others individually and collectively. Islam lays great stress on equality, social justice, brotherhood and peace not only in thestate but across the border too. The fundamental rules of Islamic foreign policy not only emphasize the faith in the oneness of Allah but also the equality among all human beings and all races and nations. Islam builds international relations on rian basea humanita.

Date of Publication:
30-12-2022

ہر نظام کی بنیاد چند راہنما اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔اصولوں کے بغیر کسی بھی ادارے کی حدودِاربعہ کا تعین کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن بات ہے۔اصول ہی وہ ذریعہ ہوتا ہے جس سے کسی ادارے یا نظام کو استحکام میسر آتا ہے۔وگرنہ اصول کے بغیر نہ دنیا کے اندر کوئی نظام قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ادارے باقی رہ سکتے ہیں۔

قرآنِ مجید فرقانِ حمید اس دنیا میں اللہ کی آخری اور جامع کتاب ہے جو کل انسانیت کو ضلالت و گمراہی سے بچانے کا ایک روشن و تابندہ ستارہ ہے،جس کی ہدایت اور تعلیم میں کسی قسم کا شک نہیں۔ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾[1]

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ شک نہیں،پرہیز گاروں کے لیے سر سر ہدایت ہے۔''

یہ کتاب زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے بہترین اصول اور قواعد ضوابط فراہم کرتی ہے۔اسی طرح قرآن ہمیں مسلم و غیر مسلم ممالک کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے کے لیے اصول وضوابط کے ذریعے بہترین راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسلام پورے نظام کی تعمیر ہی اخلاقی اور فطرتی اصولوں پر کرتا ہے جبکہ کے دنیا کے اندر غیر اسلامی نظام کی بنیاد قومیت پرستی، مادیت پرستی، نسل پرستی یا وطنیت پرستی پر رکھی جاتی ہے جو نہ صرف غیر اخلاقی بلکہ غیر فطری بھی ہے،جس کا نتیجہ صرف اور صرف ظلم کے طور پر سامنے آتا ہے۔قبل از اسلام اگر ہم تاریخی تناظر میں چند سپر پاور ریاستوں کے آپس کے تعلقات کا جائزہ لیں تو غیر فطری نظام کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

مشہور انگریز مصنف H.G.Wells نے دنیا کے اس سماجی و اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیرِ اقتدار آجائے گا۔مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا اور نہ اتحاد،بازنطینی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں، ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا۔''2

چنانچہ اسلام ہمیں درس دیتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد قرآنی اصولوں پر مشتمل ہونہ کہ دوستی اور دشمنی دیکھ کر۔آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کی بنیاد بھی انہی مبارک اصولوں پر رکھی۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری بیان فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے

بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ مدینہ اور اس کے گردو پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہوجائے۔چنانچہ آپ ﷺ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مرتب فرمائے جن کااس تعصب اور علوپسندی سے بھری دنیا میں کوئی تصور نہیں ملتا۔"[3]

یہ ہے اسلام کا تصورِ ڈپلومیسی یا سفارتکاری جس کی کمی آج اسلامی دنیا میں پائی جاتی ہے۔مسلم قومیں اپنا سیاسی نظام مستحکم کرنے کے لیے غیر مسلم قوموں کے نظاموں کو اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔یہی وہ غلامی وبے بسی کی سوچ ہے جس کو بدلنا ہوگااور مسلم دنیا کومزید تباہی سے بچانا ہوگا۔اسی میں ہم سب کی بھلائی اور بہتری ہے۔موجودہ اسلامی دنیا کی سیاسی ومعاشی پسماندگی کی بڑی وجہ غیر اسلامی نظام کو اختیار کرنا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ھاشمی (اقبال)

خارجی امور یا بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں اسلام ایک عمومی اصول وضع کرتا ہے جس کا دائرہ کار نہ صرف ایک فردکا دوسرے فرد تک محدود ہے بلکہ اجتماعی سطح پرایک ریاست کا دنیا کی دیگر ریاستوں تک پھیلا ہوا ہےخواہ وہ ریاستیں اسلامی ہوں یا غیراسلامی،تاہم شریعتِ اسلامیہ میں اس عمومی اصول کوخارجی معاملات یا تعلقات میں اصل الاصول کی حیثیت حاصل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى، وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[4]

"خیراور تقویٰ کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرو،گناہ اور سرکشی کی بنیادپرایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"

برّ اور تقویٰ کیا چیز ہےاس کے متعلق قرآن خود اس کی وضاحت کرتا ہے۔ارشادِ باری ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[5]

"یہ برّ(نیکی) کہ تم اپنے چہرے مشرق ومغرب کی جانب پھیرو بلکہ حقیقی بِرّ(نیکی) یہ ہے کہ (انسان) اللہ ،یومِ آخرت، فرشتوں، کتبِ سماویہ اور انبیاء پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت کی بناپر قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں، غلاموں پر اپنامال خرچ کرے، نماز قائم کرے زکواۃ دے، اور (برّان لوگوں کاحصہ ہے)جو عہد کرلیتے ہیں تو اس کو وفا کرتے ہیں، مصیبت ونقصان پر اور

وقتِ مصیبت کے صبر کرتے ہیں، ایسے لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

جہاں تک ایک اسلامی ریاست کے دوسری اسلامی ریاست کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے تو وہ مذکور اصل الاصول پر قائم کرے گی، یعنی وہ اس سے تعاون وامداد رکھے گی بشرطیکہ وہ برّ اور تقویٰ کی جانب جارہی ہو۔ اس تعاون کا اثر یہ ہو گا کہ انسانی ارتقاء اور انسانیت کا عروج جو اسلامی ریاستوں کے قیام کا مقصدِ حقیقی ہے زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے گا۔ اس تعاون پر رنگ، نسل، قوم، وطن، جو طبعی امتیازات ہیں اور غیر اسلامی ریاستوں کا طرہ امتیاز ہیں، کوئی اثر نہ ڈال سکیں گے۔ مقصد کی وحدت، پروگرام کی وحدت اور ریاست کے پاک واعلیٰ، عقلی وفکری اساسی اصول کی وحدت، درحقیقت دونوں ریاستوں کے درمیان سے پردہ اٹھا دیتی ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء اگرچہ مختلف مقامات پر ہیں جن کی وضع وقطع ضرور مختلف ہے مگر مادہ بھی سب کا ایک ہے اور روح بھی سب کی ایک۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

(اقبال)

پاکستانی، ہندوستانی، روسی، افغانی، ایرانی وفرانسیسی اور برطانوی وامریکی کے فروق وامتیازات سطحی اور بناوٹی ہیں، ان سے حقیقتیں نہیں بدل سکتیں، ان کی بنیاد پر اختلاف وانشقاق انتہائی نادانی وحماقت ہے، جبکہ قرآن مجید فرقان حمید کی واضح ہدایت ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾[6]

"بے شک سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔"

اسی طرح رسولِ مکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"اَلمُومِنُ لِلْمُومِنِ كَالبُنيَانِ يَشُدُّ بَعضُهُ بَعضَاً"۔[7]

"مسلمان آپس میں دیوار کی مانند ہیں جس کا بعض حصہ بعض کو مضبوط کرتا ہے۔"

اس تعاون کے لیے کسی معاہدہ کی شرط نہیں، یہ معاہدہ تو اسی روز ہی ہو جاتا ہے جس روز انسان لاالہٰ الا اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ اسے کوئی اختلاف توڑ نہیں سکتا۔ اخوت وتعاون کا یہ تعلق تو خود اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے، اسے انسانی ہاتھ کیسے توڑ سکتے ہیں۔ یہ قلب کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے، اس کا نکلنا ناممکن ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾[8]

"اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کر دی، اب تم اللہ کی نعمت کی وجہ سے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔"

اسلامی حکومت کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ دوسری اسلامی ریاست سے متصادم نہ ہو، بلکہ ایک دوسرے کی علاقائی سرحدوں کا اسی طرح احترام کریں جس طرح ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے گھر کی چار دیواری کو پامال نہ کرے۔

مذکورہ بالا بحث میں خارجی معاملات کے ضمن میں اصل الاصول کو قدرے جامع انداز میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے، اب اس میں سے کشید کردہ چند ایک دیگر بنیادی اصولوں کو تفصیلاً ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔ دعوتِ اِلی اللہ:

رسول مکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد دنیا کے لوگوں کو اللہ جلّ شانہٗ کی وحدانیت اور یکتائی کی طرف دعوت دینا تھا۔ یہی وہ بنیادی مقصد تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا۔ دنیا میں حضرت آدمؑ سے لے کر آپ ﷺ تک جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے انہوں نے سب سے پہلے انسانوں کو جس بات کی طرف دعوت دی وہ یہ تھی:

{اَن لَاتَعبُدُوا اِلَّااِیَّاہُ}[9]

"یعنی اس مالک حقیقی کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور اس کے حقوق میں یکتا ماننا، نہ اس کی ذات میں کسی کو شریک کیا جائے، نہ اس کی صفات میں، نہ اس کے حقوق میں کسی کو شریک کیا جائے۔ نیز اس کے مدمقابل شرک کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اپنی ذات، اسماء اور صفات میں اکیلا اور بے مثل ہے، کسی اور کو اس کی ذات، اسماء اور صفات میں نیز اس کی عبادت، اطاعت اور تدبیر میں شریک کرنا شرک ہے۔"[10]

جہاں تک اسلامی خارجہ پالیسی میں بطورِ بنیادی اصول دعوتِ توحید یا دعوتِ الی اللہ کا تعلق ہے تو یہ دراصل اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ کوئی بھی اسلامی ریاست جب کسی دوسرے ملک سے سفارتی تعلقات قائم کرے تو اسلامی تشخص کو برقرار رکھے نہ کہ ایسے قواعد وضوابط یا شرائط کا پابند ہو جس سے اُس کا اسلامی تشخص مجروح ہو۔ غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات قائم کرنا اور انہیں حکومتی سطح پر بذریعہ سفارت کاری اللہ کی توحید اور اسلام کی دعوت دینا مسلم حکمرانوں کا شیوہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ توحید کی دعوت کا عام ہو نا نہ صرف مسلم امہ بلکہ پوری انسانیت خواہ وہ دنیا کے جس گوشہ میں پروان چڑھ رہی ہو کے لیے واضح فلاح وکامرانی ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ کی توحید وہ عقیدہ ہے جس کی حقانیت کا انکار دنیا کے اندر کسی بھی مذہب کا شخص عقلی وفطری اعتبار سے نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ اہل کتاب کو اُس کلمہ کی طرف بلائیں جو سب میں مشترکہ کلمہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾[11]

”تو کہہ دے، اے اہلِ کتاب: آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی اور اس کو کسی کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ بنا دیں کوئی کسی کو رب سوائے اللہ کے، پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو، گواہ رہو ہم تو حکم کے تابع ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت دی تو ایسے مسئلے کی طرف دعوت دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر تھا۔ دعوت نامہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد عبداللہ ورسولہٗ الی ھرقل عظیم الروم، سلام علی من التبع الھدیٰ، امابعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسین، یا اَھل الکتب تعالو الی کلمۃ۔۔۔“[12]

”میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا ہے، یہ خط محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کی جانب ہے۔ سلامتی ہو اس شخص کے لیے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد اس کے میں تجھے اسلام کے بلاوے کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسلام لا، تو سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر دے گا اور اگر تو اعراض کرے گا تو تجھ پر ان سب انسانوں کا وبال ہوگا جو تیری رعایا ہیں۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات پر جمع ہو جائیں جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہیں یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ شریک کریں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں کو رب بنائیں۔“[13]

آسمانی تعلیمات کا یہ بنیادی نقطہ ہے جسے ہر نبی اور رسول کے پیغام میں اصل الاصول کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حضرت یوسفؑ کو جب جیل میں تبلیغ دین کا موقع ملا تو جیل کے ساتھیوں کو سب سے پہلے جو حیات افروز سبق دیا وہ یہ تھا:

﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[14]

”اے میرے جیل کے ساتھیو! کیا یہ مختلف اور متعدد جھوٹے خدا اس اکیلے طاقت والے سے بہتر ہوسکتے ہیں۔“

حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے تو ان کا اوّلین پیغام یہ تھا:

ان اعبدوالله واتقوه واطیعون

"اس کی بندگی کرواور اسی کی اطاعت کرو۔"

یہ وہ لازوال حقیت تھی جسے اجاگر کرنے کے لیے انبیاء اکرام کی بعثت ہوئی اور جو آدمی کی فطرت میں ودیعت کردی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت زمانہ فطرت کی اس لازوال حقیقت کو صرفِ نظر کرکے تباہی کو دعوت دے رہا تھا اور انسان انسانیت کو خاک میں ملارہا تھا۔ قرآن میں حق جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَكُنتُم عَلٰى شَفَا حُفرَةٍ مِنَ النَّارِ فَاَنقَذَكُم مِنهَا-[15]

"اور تم آگ کے گڑے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، خدا نے تم کو بچالیا۔"

حضور ﷺ کی بعثت کا سب سے بڑا یہی مقصد ٹھہرا کہ بنی نوع انسان کو ظلمت کے اندھیروں اور تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لایا جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

"الف لام میم! یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اے رسول تم پر نازل کی ہے تاکہ تم انسانیت کو پروردگار کے حکم سے ظلمت سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ اس رب کے راستے کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے: لااله الله محمدرسول الله۔ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔" کا پیغام انسانوں تک پہنچایا اور دعوت دی کہ اللہ کی ذات قانون ساز ہے اور محمد ﷺ تمام دنیا خصوصاً بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ترسیل کے لیے مبعوث کئے گئے ہیں۔ اللہ صرف ایک ہے اس نے ہمیں بنایا ہے، وہی ہماری پرورش کرتا ہے، اسی کے حکم سے موت آتی ہے اور وہی دنیاوی زندگی کا حساب لے گا اور جسے چاہے گا سزا یا جزا دے گا۔ انسان اللہ کی مخلوق ہے چنانچہ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں خواہ یہ مسلک کا معاملہ ہو یا عقیدہ کا، معاشرتی رویہ ہو یا سیاسی یا کچھ اور اپنے خالق ومالک کی پابندی کرنی چاہئے۔[16]

2۔عالمی امن و سلامتی:

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسولِ مکرم ﷺ جس دین کو اپنے دامن اقدس میں سمو کر اس کائنات فانی میں تشریف لائے یہ عالمگیر دین ہے جو کسی خاص علاقہ، خاص نسل، خاص قومیت یا کسی خاص زمانے کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانیت کے لیے اور قیامت تک کے لیے پیغامبر بن کر تشریف لائے۔ آپؐ کی تعلیمات اور آپ ﷺ پر نازل شدہ قرآن جو اللہ کی آخری کتاب ہے قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی وہدایت کا ایک کامل واکمل مجرب نسخہ ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ آپؐ اللہ کے آخری رسول ہیں، آپ ﷺ کے بعد نہ تو کوئی اللہ سے کتاب نازل ہونے والی ہے اور نہ ہی کوئی نبی آئے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[17]

"محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور آخری نبی ہیں۔"

تاہم آپ ﷺ سے پہلے اس کائنات کے اندر جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے وہ خاص خطہ زمین، خاص زمانے اور خاص قوم کے لیے تھے۔ان کی آسمانی تعلیمات بھی محدود نوعیت کی تھیں جبکہ پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ تمام لوگوں کے لیے رحمت بناکر بھیجے گئے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[18]

"اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بناکر بھیجا۔"

یہاں تمام جہانوں سے مراد کائنات کے اندر تمام مخلوقات یعنی انسان ،جانور،چرند،پرند اور درند سب کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔اسی طرح ایک اور جگہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾[19]

"ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت کائنات کے اندر بلا تفریق تمام لوگوں کی طرف ہے خواہ وہ دنیا کے جس مذہب، مسلک یا قوم و خطہ سے تعلق رکھتا ہو اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت عالمگیر شریعت ہے،اور عالمگیر پیغام ہے تو یہ عقلی و نقلی اور فطری اعتبار سے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ھادئ عالم ﷺ کا پیغام دنیا کے امن وسلامتی کا پیغام نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کا مقصد بھی یہ تھا کہ ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم ہو جو امن وسلامتی پر مبنی ہو کیونکہ اسلام امن کے فروغ اور سلامتی کی ترویج کو عزیز رکھتا ہے۔قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾[20]

"اور اللہ ان کے خوف کو امن میں تبدیل فرمادے گا۔"

حضورِ مکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"اللہ امن وسلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمہارا حامی ومددگار ہوگا کہ گھر کی چاردیواری میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خاتون تن تنہا کسی محافظ و معاون کے بغیر مدینہ سے الحمرا کا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کرسکے گی اور کوئی چور راہزن اسے خوف زدہ نہ کرسکے گا۔"[21]

قرآن مجید فرقان حمید کی ایک آیت میں بڑے واضح انداز میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور کتاب اللہ کے نزول کا اصل مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان پر سلامتی کی راہیں کھول دی جائیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۝۱۵ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [22]

"بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے، اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طلبگار ہیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔"

اسلام کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے ہی دراصل روشنی کے راستے اور صراط مستقیم ہیں۔ اور وہ راستے جو فتنہ وفساد اور خون ریزی کی طرف جاتے ہیں اللہ کے نزدیک بنی نوع انسانی کی گزرگاہ بننے کے قابل نہیں ہیں۔[23]

اسلامی مملکت کی خارجہ پالیسی امن وسلامتی کے اصول پر کاربند ہوگی۔ کسی دوسرے ملک کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ جو عالمی امن کے خلاف ہو یا ایسا اتحاد جو لوگوں کے جان ومال اور ان کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کے حامل ہو، کسی صورت حصہ نہیں بنے گی۔ بلکہ ایک اسلامی ملک جو اسلام کے درخشندہ اصولوں پر کاربند ہو دنیا کے ہر اس اتحاد اور فورم میں شامل ہوگا جو دنیا کے اندر امن پسند ہو، اپنی خارجہ پالیسی کو قومی سطح پر اس انداز سے ترتیب دے گا جس سے نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی سطح پر امن اور سلامتی کو فروغ حاصل ہو۔

جب دنیا کے کسی فورم پر امن وسلامتی کی بات آتی ہے تو حالات وواقعات ثابت کرتے ہیں کہ اس کا جھنڈا اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ اس ضمن میں یوں تو سینکڑوں مثالیں دینے کو ملتی ہیں جن کا تعلق نہ صرف ماضی کی تاریخ سے ہے بلکہ حالیہ چند سالوں سے بھی ہے، تاہم ایک مثال رچرڈ میکینی Richard Me.Kenni کی دی جاسکتی ہے جو امریکن آرمی میں کمانڈر تھا اور مسلمانوں کا بدترین مخالف تھا۔ حتی کہ ایک دفعہ اس نے اپنے شہر Muncie کی جامع مسجد کو بم سے اُڑانے کا منصوبہ بھی بنایا تاہم اللہ کو منظور تھا کہ اس نے مستقبل میں اسلام کا داعی بننا ہے اور آج وہ امریکہ میں مبلغ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔[24]

رچرڈ میکینی Richard Me.Kanni اپنے ایک انٹرویو میں بیان کرتا ہے کہ میری زندگی کا پانسہ قرآن کی اس آیت نے پلٹا ہے جس کو میں نے بار بار پڑھا اور اُسے سمجھا:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ۝ۚ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۝ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾[25]

"اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کردے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کردیا، اور جو شخص کسی ایک جان کو (نہ حق قتل ہونے سے) بچائے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔"

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت و تکریم ہے اور یہ اصول صرف بنی اسرائیل کے لیے ہی نہ تھا اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی یہ اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔ سلیمان بن علی ربعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری ؒ سے پوچھا کہ کیا یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے جس طرح بنو اسرئیل کے لیے تھی؟ انھوں نے فرمایا:

”ہاں، قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بنواسرائیل کے خون اللہ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابل احترام نہ تھے۔“[26]

ناحق قتل کو حدیث میں کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”بڑے کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی بات کہنا، یا یہ فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا۔“[27]

حضور ﷺ کی تمام زندگی امن وسلامتی کا شاخسانہ تھی۔ نبوت سے پہلے مکہ میں قبائلی سطح پر جنگ وجدل سے بیزاری اور امن وسلامتی کے جو بھی معاہدات ہوئے حضورِ اقدس ﷺ ان میں سر فہرست نظر آتے ہیں جیسے معاہدہ حلف الفضول اسی طرح مدنی زندگی میں صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ جیسے معاہدات۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی عمر اس وقت صرف بیس برس تھی مگر مکہ میں امن وامان کی بحالی کے لیے اس میں ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے نہ صرف شریک ہوئے بلکہ آپ ﷺ کو اس کا انعقاد اس قدر عزیز تھا کہ اپنی بعثت کے بعد بھی اسے یاد کر کے فرمایا کرتے تھے:

”میں ابن جدعان کے گھر جس معاہدے میں شامل تھا اگر اس کے مقابلے میں مجھے سرخ اُونٹ بھی دیے جاتے تو قبول نہ کرتا اور آج بھی اس قسم کے معاہدے میں شرکت کی دعوت دی جائے تو قبول کرنے میں تامل نہ کروں گا۔“[28]

آپؐ کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ طبعاً اور فطرتاً نبوت سے قبل بھی فتنہ وفساد سے کتنے عاری اور امن و سلامتی کے کس قدر خواہاں تھے۔

اسی طرح مکّہ مکرمہ سے جب آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو یہاں بھی قبائلی نظام مروج تھا۔ مدینہ کے عرب اوس اور خزرج کے بارہ قبائل میں بٹے ہوئے تھے اور یہودی بنو نضیر اور بنو قریظہ کے دس قبائل میں، ان میں کئی نسلوں سے باہم لڑائی جھگڑے چلے آرہے تھے۔29 مدینہ منورہ میں ان حالات کے پیش نظر آپ ﷺ نے آتے ہی قیام امن کے لیے بھرپور کاوش فرمائی اور ہجرت کے چند ہی ماہ بعد ایک ایسا معاہدہ یا امن کا دستور مرتب فرمایا جسے مدینہ کے تمام لوگوں نے تسلیم کیا۔ میثاق مدینہ کے نام سے معروف اس تاریخی دستاویز کی 63 دفعات ہیں جس میں داخلی طور پر قیام امن اور خارجی جارحیت کی صورت میں تمام فریقوں کی جانب

سے متحدہ مدافعت کا معاہدہ کیا گیا۔اس دستاویز میں اس امر کو یقینی بنایا گیا کہ یثرب کا علاقہ محترم رہے گا، پڑوسی کو اپنی جان کی مانند سمجھا جائے گا،اسے نہ کوئی ضرر پہنچنا چاہیے اور نہ اس سے کوئی بد سلوکی سے پیش آنا چاہیے۔اس معاہدے میں شامل یہودی قبائل کے جان ومال کے تحفظ کو بھی یقینی بنایا جائے۔چنانچہ معاہدہ کی ایک شق یہ ہے:

وَاِنَّ بَینَھُم النَّصحَ وَالنَّصِیحَۃَ وَالبِرَّ دُونَ الاِثمِ-[30]

"اور (اس دستوری وحدت میں شریک) اتحادیوں کے درمیان مخلصانہ تعلقات اور باہمی خیر خواہی ہوگی اور وہ اس معاہدے سے مکمل وفا کریں گے، عہد شکنی اور دھوکہ دہی نہ ہو گی۔"

یوں اس معاہدے کی رو سے تمام فریق اس بات کے پابند ہوگئے کہ اس شہر کے امن کو برقرار رکھنے کے لیے سب گروہ مل کر جدوجہد کریں گے۔

اس دستور کے متعلق جو کہ امن وسلامتی کی ایک دستاویز تھی ڈاکٹر حمیداللہ رقمطراز ہیں:

"اصل میں اس کا مقصد شہر مدینہ کو پہلی دفعہ شہری مملکت قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا۔"[31]

محمد حسین ہیکل نے اس معاہدہ امن کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت رسول اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا جس سے شرکاءِ معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کے اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہو اور انسانی زندگی کی حرمت قائم ہو۔"[32]

مشہور انگریز مفکر جس کا شمار مشہور مستشرقین میں ہوتا ہے اس معاہدے کے بارے میں رقمطراز ہے:"آپ ﷺ ایک ایسی ریاست اور معاشرے کے قیام میں کامیاب ہوئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔"

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری بیان کرتے ہیں:

"آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ مدینہ اور اس کے گردو پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہوجائے۔چنانچہ آپؐ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مرتب فرمائے جن کا اس تعصب اور علوپسندی سے بھری دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔"[33]

مذکورہ نظائر سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر رسول مکرم ﷺ کا کردار ایک مصلح، مفاہمت پسند اور امن پسند تھا۔دیگر اقوام کے ساتھ تعلقات اور

معاہدات کی صورت میں ہر اس پیش قدمی کا ساتھ دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے نظر آتے ہیں جو امن اور سلامتی کی طرف گامزن ہوتی ہے۔

3۔دفاعِ ریاست:

تقریباًہر زمانے میں دنیا کی تمام ریاستیں بیرونی حملوں سے بچاؤ کے لیے مختلف اقدامات اور بندوبست کرتی آئی ہیں اس مقصد کی خاطر بیرونی ریاستوں اور قبائل وغیرہ سے اچھے تعلقات استوار کرنااور باہمی امدادو تعاون کی فضاء کو قائم رکھنا ایک ضروری امر رہاہے۔

آنحضرت ﷺ کی سربراہی میں قائم پہلی اسلامی ریاست یعنی ریاستِ مدینہ شدید بیرونی خطرات سے دوچار تھی۔ قریش مکہ کی ایذارسانیوں اور ظلم وستم سے تنگ آکر مدینہ آنے والے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا کہ مکّہ والے کسی بھی وقت حملہ کرسکتے ہیں۔ ان خطرات میں نئی اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے اقدامات ناگزیر ہوگئے تھے۔ویسے بھی نظام حق کی اقامت اس کے تحفظ اور اس کے فروغ کے لیے سیاسی اور فوجی قوت کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ داخلی امن مستحکم ہو جانے کے بعد مدینہ سے باہر جن علاقوں میں سے قریش مکّہ کے تجارتی قافلے گزرکر عراق، شام یا مصر کی طرف آتے جاتے تھے، رسول خدا ﷺ ان قبائل کے ساتھ بیرونی حملہ کے خلاف باہمی فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدے کرنے میں کامیاب رہے۔خارجہ پالیسی کے میدان میں رسول اللہ ﷺ ایک زیرک اور حالات شناس انسان ثابت ہوئے۔ایک ریاست کا وجود اسی صورت قائم رہ سکتا ہے جب اس کے بیرونی دنیا سے تعلقات مستحکم ہوں، یوں حالات کی سنگینی اور ریاست کے دفاع کے پیشِ نظر خارجہ پالیسی کو ترتیب دینا رسول مکرم ﷺ ،خلفاءِ راشدین اور اسی طرح دیگر سلاطین اسلام کا خاصہ رہاہے۔

جہاں تک اپنے وطن یا قومی ریاست کے دفاع اور اس کی حفاظت کا تعلق ہےتو قرآن میں اللہ کا واضح ارشاد موجود ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَہُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْہِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّاللہِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِہِمْ۝۰ۚ لَا تَعْلَمُوْنَہُمْ۝۰ۚ اَللہُ يَعْلَمُہُمْ﴾[34]

”ان کے مقابلے کے لیے جتنی طاقت مجتمع کرسکتے ہو کرلو اور گھوڑے پالو،اس طریقے سے اپنے اور خدا کے دشمنوں پر اپنی دھاگ بٹھادو۔“

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج(Standing Army) ہر وقت تیار رہنی چاہیے تاکہ بوقت ضرورت فوراً جنگی کاروائی کرسکو۔“تاہم خارجہ تعلقات کی صورت میں اپنے ملک کی

سلامتی کے لیے وہ تمام وسائل اور ذرائع بروئے کار لائے جائیں جس سے ملک کی سرحدیں محفوظ ہوں۔ میثاق مدینہ اس ضمن میں مسلم حکومتوں کے لیے ایک زندہ وجاوید مثال ہے۔

4۔احترام معاہدات:

معاہدات کا احترام اور اس پر مکمل پاسداری ایک ایسا اصول ہے جس پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ معاہدے پر عملدرآمد میں خیانت اور خلاف ورزی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے نیز عہد کو توڑنا اسلام کے نزدیک ایک بدترین عمل ہے، چنانچہ اس امر کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ معاہدے کا حقیقی مقصد امن اور سلامتی کو بحال کرنا ہے اور پر امن بقائے باہمی کے مقصد کو اُجاگر کرنا ہے خواہ حالات کتنے ہی اضطراب انگیز اور تشویشناک کیوں نہ ہوں اور سلامتی کے لیے وہ تمام وسائل اور ذرائع بروئے کار لائے جائیں جس سے ملک کی سرحدیں محفوظ ہوں، میثاق مدینہ اس ضمن میں مسلم حکومتوں کے لیے ایک زندہ وجاوید مثال ہے۔

اس بات سے خبردار کیا گیا ہے کہ معاہدے پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾[35]

"اے ایمان والو! اپنے معاہدات پورے کیا کرو۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــُٔوْلًا﴾[36]

"اور تم عہد کو پورا کرو، یقیناً وعہدے کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔"

معاہدہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر، دو فریقین کے درمیان یا اقوام کے مابین ہر حال میں معاہدہ کو لازمی گردانا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ٥٦ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ٥٧ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ﴾[37]

"جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور ذرہ خدا کا خوف نہیں کرتے، پس اگر یہ لوگ تمھیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ ایسی روش اختیار کرنے والے ہوں ان کے حواس باختہ ہو جائیں، توقع ہے کہ بدعہدوں کے اس انجام سے وہ سبق حاصل کرلیں گے۔اور اگر کبھی تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان کے معاہدہ کو علانیہ ان کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

سورہ انفال کی مذکورہ آیات کریمہ کے ترجمہ اور مفاہیم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے سرحد پار کسی دوسری ریاست کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کی خاطر کچھ معاہدات طے پا جاتے ہیں تو ان کی بھرپور

انداز میں پاسداری کی جائے گی تاہم اگر دوسرا فریق اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے یا اس کو توڑ دے تو پھر ایک مسلم حکمران کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ وہ بھی معاہدے کو ختم کر دے اور اُس کے خلاف اعلان جہاد کر دے۔

مسلمانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اپنی ریاستوں کی سرحدوں کی حفاظت ہر ممکن حد تک کی جائے چہ جائکہ امن معاہدات کیوں نہ بروئے کار لائے جائیں کیونکہ اللہ کا دین ہر حالت میں امن و سلامتی کو فروغ دینے والا دین ہے اور جنگ وجدل کو ناپسند کرتا ہے۔یوں درج ذیل آیات مبارکہ کی روشنی میں آپ ﷺ نے اسلام کی بین الاقوامی پالیسی کا یہ ایک مستقل اصول قرار دیا ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے:

مَن كَانَ بَينَهٗ وَ بَينَ قَومِ عَهدُ، فَلَا يَحِلنَ عَقدَهٗ حَتّٰى يَنقَضِى اَحَدَهَا اَوينبِذ اِلَيهِم عَلىٰ سَوَاءِ

”جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہوا ہو،اسے چاہیے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے عہد کا بند نہ کھولے یا نہیں تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے۔“

حدیثِ مبارکہ اور قرآنِ کریمہ کی آیت سے ایک اسلامی ریاست کے لیے بین الاقوامی اصول کا علم بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی معاہد قوم سے اختلاف پیدا ہو جائے تو ان کے خلاف طاقت کا استعمال کرسکتے ہیں بشرطیکہ اس بات کا قوی امکان ہو کہ وہ قوم ایک اسلامی ریاست کے خلاف جارحیت اور سازشوں کا مرتکب ہوگی یا کسی ایسی حرکت کا حصہ بنے گی۔تاہم طاقت کا استعمال کرنے سے پہلے واضح طور پر اعلان کرنا ضروری ہے،خفیہ ایسی کاروائی نہ کی جائے گی اس لیے ایک تو یہ اسلامی اصولوں کے منافی ہے اور دوسرا بین الاقوامی سطح پر ایک ناجائز حرکت ہے۔

5۔جنگ سے گریز اور صلح کو ترجیح:

رسولِ مکرم ﷺ کی سیرت کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے بلاجواز جنگ وجدل سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کی اور اقوامِ عالم سے صلح کو ہمیشہ ترجیح دی،اعلان جہاد اُس وقت کیا گیاجب مسلمانوں کی سلامتی کو شدید خطرات درپیش ہوئے، تاہم ہمیشہ ان راستوں کو پسند کیاجو صلح کی طرف مائل تھے اور جب بھی دیکھاکہ دشمن مائل بہ صلح ہے تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا۔ آپ ﷺ کا یہ طرز عمل قرآن میں اس اشارہ کے بالکل عین مطابق تھا کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٦١ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَالَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾[38]

”(اے محمد ﷺ)اگر دشمن مائل بہ صلح ہو تو آپ بھی ایسا ہی کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں، بلاشبہ وہ سمیع وعلیم ہے،اور اگر وہ دھوکہ دینے کی تدبیر کریں گے تو اللہ کافی ہے۔وہ خدا ہی ہے جس نے خود آپ ﷺ کی اور

مومنوں کی (ایسے موقع پر بھی) مدد فرمائی۔"

اس آیت کریمہ سے جو ایک بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست کو کبھی بھی مذاکرات کے دروازے بند نہیں کرنے چاہیں۔ سرحد پار اقوام سے تنازعہ کی صورت میں کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جنگ وجدل کی ضرورت ہی نہ پڑے اور مل بیٹھ کر امن و آشتی کی خاطر مسائل کا حل نکالنا چاہیے اس لیے کہ جنگ وجدل بہر حال کسی بھی مسئلے کا آخری حل نہیں ہوتا، پرامن مذاکرات ہی واحد حل ہے۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو واضح تعلیم دی گئ ہے کہ جب غیر مسلم خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں مسلمانوں کے ساتھ صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پیش کش کو امن وآشتی کی خاطر قبول کریں اور مذہبی رواداری کا ثبوت دیں۔

جنگ وجدل سے بے اعتنائی اور صلح کی طرف رغبت کی ایک سب سے بڑی مثال صلح حدیبیہ کی ہمارے سامنے موجود ہے جس میں آپ ﷺ کی خارجی معاملات میں ذہانت وفطانت، سوچ اور غوروفکر میں دوررسی ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔ یہ واقعہ چھٹی ہجری ذیقعد کے اوائل میں پیش آیا جب رسول اللہ ﷺ تقریباً 1400 صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کی غرض سے مکّہ معظمہ روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے ایک قاصد کے ذریعہ اہل مکّہ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور جنگ ہمارا مقصود نہیں۔[39]

یوں بالآخر آپؐ نے حضرت عثمان کو مکّہ کی جانب آپنا سفیر بنا کر بھیجا اور قریش مکّہ کی طرف سے بھی چند آفراد جن میں سہیل بن عمرو بھی تھا کو بطور سفیر بھیجا گیا چنانچہ دونوں فریقوں کے مابین صلح کا معاہدہ طے پایا۔[40]

یہ صلح بظاہر تو مسلمانوں کو مایوس کن معلوم ہوئی لیکن نتائج کے اعتبار سے مسلمانوں کو بہت بڑی فتح ثابت ہوئی۔ امام زہری ؒ اس صلح کو فتح عظیم ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسلام میں اس سے قبل کوئی بڑی فتح نہ تھی۔ جنگ میں تو لوگ گتھم گتھا تھے جب امن وسکون ہوگیا، جنگ ختم ہوگئی، لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہوگئے، وہ ایک دوسرے سے ملے، باہم بات چیت کی، جس نے بھی اسلام کی حقانیت کو سمجھا وہ اسلام میں داخل ہوگیا، ان دوسالوں میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے اس سے قبل مسلمان ہوئے یا اس سے بھی زیادہ مسلمان ہوئے۔"[41]

ابن ہشام، امام زہری کی اس بات کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ کے لیے نکلے تو 1400 آدمی ساتھ تھے اور دو سالوں کے قلیل عرصے کے بعد فتح مکّہ کے لیے نکلے تو دس ہزار آدمی ساتھ تھے۔ ان مواقع پر رسول مکرم ﷺ کا

طرزِ عمل بلاشبہ صلح وامن وآشتی کی طرف مائل ہوتا نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ جس دین حق کی کمان سنبھالے ہوئے تھےوہ دین اسلام یعنی سلامتی کا دین ہے جو عالمگیر پیغام ہےاور امن وآشتی اور محبت والفت کا دین ہے۔

6۔غیر مسلموں سے مشروط تعلقات:

تمام بنی نوع انسان بحثیت خلقت آپس میں برابر اورایک دوسرے کے بھائی ہیں۔کوئی شخص یا کوئی قوم،نسل انسانی،رنگت یا علاقہ کی بنیاد پردوسرے سے برتر نہیں ہوسکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ ﴾[42]

"اے لوگو!اپنے رب سے ڈرو،جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔"

دین اسلام نسل انسانی کی وحدت کا علمدار ہےاور اس کا تقاضیٰ ہے کہ ایک عالمی انسانی برادری قائم کی جائےجو مشترکہ مفادات کے حصول کے لیےایک دوسرے کے لیے مدومعاون ثابت ہو۔لہٰذا بلا وجہ کسی سے تنازعہ قائم کرنا اسلام کی نظرمیں ناجائزاور قابلِ نفرت عمل ہے۔قرآن مجید فرقان حمید غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کووضاحت سے بیان فرمایاہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾[43]

"اللہ تعالیٰ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنھوں نے تم سے جنگ نہیں کی، تمھیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا،بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف پسند کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ صرف ایسے (غیر مسلم) لوگوں سے تمھیں دوستی پیدا کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی، تمھیں گھروں سے نکالا اور تمھیں بے گھر کرانے میں دشمنوں کی مدد کی،اور جو بھی ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گاتو ایسے لوگ ظالم ہوں گے۔"

قرآن نے غیر مسلموں سے خارجی تعلقات قائم کرنے کے لیے مسلم اقوام کو ایک دائرہ کار دے دیا جس کے اندر رہ کر وہ اقوامِ عالم سے اپنی خارجہ پالیسی تشکیل دے سکتے ہیں اور اسی میں مسلم امہ ؑ کے لیے بہتری اور بھلائی ہے۔

مولانامودودیؒ اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

"اس مقام پر ایک شخص کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں کے ساتھ نیک

سلوک تو خیر ٹھیک ہے مگر کیا انصاف بھی صرف انہی کے لیے مخصوص ہے؟اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ بے انصافی کرنی چاہیے؟اس کا جواب یہ ہے کہ اس سیاق وسباق میں دراصل انصاف ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمھارے ساتھ عداوت نہیں برتتا انصاف کا تقاضیٰ یہ ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ عداوت نہ برتو، دشمن اور غیر دشمن کو ایک درجہ میں رکھنا اور دونوں سے ایک ہی سلوک کرنا انصاف نہیں ہے، تمھیں ان لوگوں سے سخت رویہ رکھنے کا حق ہے جنھوں نے ایمان لانے کی پاداش میں تم پر ظلم توڑے اور تم کو وطن سے نکل جانے پر مجبور کیا اور نکالنے کے بعد بھی تمھارا پیچھا نہ چھوڑا۔"[44]

دورِ جدید میں ڈپلومیسی یا خارجی تعلقات یا خارجہ پالیسی اپنی ہیت اور نوعیت کے اعتبار سے بہت وسیع ہو چکی ہے۔ہر ملک اگرچہ اپنی خارجہ ترجیحات کو خود منتخب کرتا ہے خواہ وہ ملک اسلامی ہو یا غیر اسلامی تاہم بین الاقوامی سطح پر بھی خارجہ تعلقات کو ایک ضابطہ اخلاق کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے بالخصوص وہ ممالک کے جو اقوام متحدہ کے رکن بھی ہیں۔

تاہم اس ضمن میں ہر اسلامی ملک کے لیے ایک اصول یکساں ہونا چاہیے کہ بین الاقوامی خارجہ تعلقات کے ضمن میں وضع کردہ ایسے اصول یا ضابطہ اخلاق جو اسلامی تشخص، کلچر، ثقافت، یا شرعی نصوص کے خلاف ہوں اُن کی پاسداری نہ کی جائے البتہ جو موافق ہوں اُن کو اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔

قرآن مجید کی ذکر کردہ آیت کریمہ میں غیر مسلموں سے تعلقات قائم کرنے کو اچھا سمجھا گیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ غیر مسلم تمھارے دین کو نقصان پہنچانے والے نہ ہوں، تمھاری اسلامی روایات کے قاتل نہ ہوں، یا تمھیں مال و دولت کا جھانسہ دے کر یا اقتصادی ترقی کا لالچ دے کر تمھارے اسلامی تشخص کو برباد کرنے والے نہ ہوں۔البتہ نیکی اور بھلائی کے معاملات میں ان سے خارجہ پالیسی ترتیب دی جاسکتی ہے جبکہ ظلم اور برائی میں اسلام کسی صورت بھی ان سے معاہدات کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

7۔داخلی استحکام:

اندرونی طور پر عدم استحکام والی ریاست جو اندرونی خلفشار کا شکار ہو چھوٹے سے چھوٹے دشمن کا مقابلہ کرنے سے بھی قاصر ہوتی ہے۔دنیا کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اپنے قیام کے وقت یہودونصاریٰ اور خود انصار کے دو گرہوں اوس اور خزرج کی پرانی عداوت کی وجہ سے عدم استحکام کا شکار تھی۔دفاعِ مدینہ کے لیے ضروری تھا کہ ان تمام فرقوں اور گرہوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا جائے۔اوس اور خزرج میں باہم نسلوں سے لڑائی جھگڑے چلے آرہے تھے جبکہ یہود کے بعض قبائل اوس اور بعض خزرج کے حلیف بنے ہوئے تھے اور جنگوں میں ان کا ساتھ دیتے تھے۔[45]

مدینہ کے باسی ان طویل لڑائیوں سے تنگ آچکے تھے اور امن وآشتی کے خواہاں تھے۔[46]
رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان حالات میں اس وقت متعدد فوری ضرورتیں تھیں۔مثلاً
1۔اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔
2۔مہاجرین مکّہ کی آباد کاری۔
3۔شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ۔
4۔شہر کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام۔
5۔قریشِ مکّہ سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی ومالی نقصانات کا ازالہ۔

ان مذکورہ اغراض کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کر کے مدینہ آنے کے چند ماہ بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی جو کہ وہاں کے باسیوں کا دستورالعمل قرار پایا۔[47]

اس معاہدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں مامون زندگی بسر کرنے اور قوت وطاقت اور وسائل عسکری کو فراہم کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہوگئے، ساتھ ہی ساتھ مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی اختلافات کے باوجود دفاعِ وطن کے لیے سب کو متحد اور صفِ واحد بنانے میں کامیاب ہوگئے۔بیرونی حملے اور غارت گری کے خلاف بھی اور داخلی اختلافات کا تصفیہ اور فیصلہ کرنے میں بھی علی الرغم اس بات کے قلیل تعداد ہونے کے باوجود صرف مسلمان ہی جیشِ رسول ﷺ کی حیثیت رکھتے تھے اور دشمن کی غارت گری یا حملے کے وقت اس جیش پر آپ ﷺ اعتماد کر سکتے تھے۔[48]

8۔پیغام رسانی:

دشمن سے محفوظ رہنے کے لیےضروری ہے کہ اپنی قوت اور ذرائع مواصلات کی نگہبانی کی جائے۔ اپنی ریاست کی خفیہ معلومات دشمن کی پہنچ سے محفوظ رہیں۔نیز دشمن کی فوجی تیاریوں اور سیاسی چالوں کا بھی بروقت پتہ لگایا جائے تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کرسکے۔رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوجوں کی حفاظت کے لیے تمام غزوات میں انتظام کئےاور اپنی کوشش پوری طرح صرف کردی کہ دشمن کو معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور وہ امن میں رہ سکیں۔[49]

اسلامی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصولوں میں سےایک پیغام رسانی اوررازداری بھی ہے کہ اسلامی ریاست دوسری کسی ریاست سےجب خارجہ معاملات طے کرے تو اپنی ریاست کے سیکیورٹی کے متعلقہ خفیہ امور کوافشاں نہ کرےاس لیے کہ خارجہ پالیسی میں نہ تو کوئی مستقل دشمن ہوسکتا ہےاور نہ ہی کوئی مستقل دوست جس پر مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہو۔تاہم جاسوسی کا مکمل انتظام ہو تاکہ دوسرے ممالک کے عزائم کی بروقت خبر مل سکے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا پورا بندوبست موجود تھا۔ اسلامی مملکت کے شعبہ اطلاعات کو خاص طور پر فروغ دیا گیا۔

9۔معاشی حکمت عملی:

کسی بھی ریاست کی بقاء، سلامتی کا دارومدار اُس کی معاشی صورتِ حال پر ہوتا ہے۔ایسی ریاستیں اور سلطنتیں اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی جو معاشی طور پر کمزور ہوں یا دوسروں کی محتاج ہوں۔دوسرے ممالک سے تعلقات استوار کرنے کے جہاں دیگر مقاصد موجود ہوتے ہیں وہاں ایک سب سے زیادہ مقصد ملک کو معاشی طور پر استحکام بخشنا بھی ہوتا ہے۔یوں دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارت کو فروغ دینے کے لیے معاشی واقتصادی معاہدات عمل میں لائے جاتے ہیں۔

دینِ اسلام اس میدان میں بھی مسلم امہ کے لیے بالخصوص اور غیر مسلموں کے لیے بالعموم رہنمائی فرماتا ہے اور ایک ضابطہ کا تعین کرتا ہے کہ کن حالات میں اس کو بطور ہتھیاراستعمال کیا جائے گا اور کب یہ لوگوں کی فلاح وبہبود کا ذریعہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کی خارجہ پالیسی کااساسی کلیہ یہ تھا کہ مخالف عناصر کا خون بہانے کی بجائے اسے بے بس کردیا جائے تاکہ وہ تعاون کرے یا مزاحمت چھوڑ دے۔یہ کلیہ خاص طور پر قریشِ مکّہ کے لیے اپنایا گیا۔مدینہ چونکہ قریش کی معروف تجارتی گذرگاہ کے سرے پر واقع تھااور یہ سب جانتے ہیں کہ قریش نے آنحضرت ﷺ کے پیروکاروں کوکس طرح تکلیفیں دے کرترک وطن پر مجبورکیا تھا۔ آپؐ نے مختلف اقدامات فرما کر قریشی کاروانوں کا رستہ بند کردیاتاکہ معاشی دباو میں آکر مسلمانوں کی دشمنی ترک کردیں۔

10۔خونِ انسانی کی تکریم:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی جنگوں میں ہمیشہ انسانیت کے احترام کا اصول مقدم رکھااور کسی بے گناہ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں :

> ”یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ فتح ہواجس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی۔اسی طرح روزانہ تقریباً274 مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔“[50]

11۔بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری:

اسلام کا بین الاقوامی قانون قاصدوں اور سفیروں کو امن دینے اوران کی حفاظت کرنے پر مشتمل

ہے۔انہیں کسی حالت میں بھی کوئی اذیت نہیں پہنچائی جاسکتی۔ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد ابن النورجہ اور ابن اقال جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا:

"کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انھوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اگر میں کسی قاصد کو قتل کرنے والا ہوتا تو تمھیں قتل کر دیتا۔"

خلاصہ بحث:

1۔ اسلامی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول دنیا کے کسی ملک کی خارجہ پالیسی کے لیے بطورماخذ ومصدر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

2۔ رسول مکرم ﷺ کی سیاسی زندگی حبشہ کی طرف مسلم مہاجرین کو بھجوانے سے لے کر خطبہ حجۃ الوداع تک انہی بنیادی اصولوں کی تعبیر و تشریح ہیں۔ برداشت، صبر و تحمل، ایفائے عہد، امانتداری، دیانتداری، غیر ملکی سفیروں کی عزت و تکریم، سفیروں کی جان ومال کی حفاظت کی ضمانت، مذہبی آزادی، داخلی وخارجی اعتبار سے امن وسلامتی کے فروغ کے لیے خاطر خواہ اقدامات، مذکور تمام خصوصیات اسلامی خارجہ پالیسی کا طرۂ امتیاز ہیں۔

3۔ اسلامی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول علاقائی خود مختاری کے ساتھ ساتھ امن وسلامتی اور محبت وآشتی کے ضامن ہیں۔ اقوام عالم کے آپس میں طے پانے والے معاہدات جن کا مقصد لوگوں کی معاشی ومعاشرتی خوشحالی اور انسانی اقداروں کی تکمیل ہو، کی حوصلہ افزائی اور غیر انسانی اقداروں اور معاہدوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

4۔ اسلامی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصولوں کا بنظر عمیق دلائل وبراہین کے ساتھ جب مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین اسلام ایک آفاقی وعالمگیر دین ہے جو نہ صرف لوگوں کی نجی زندگیوں پر روشنی ڈالتا ہے بلکہ اجتماعی سطح پر ہر پہلو کو خواہ وہ سیاسی ہوں، سماجی ہوں، معاشی ہوں یا معاشرتی، دامن گیر کرتے ہیں۔ کسی بھی ریاست کے بیرونی معاملات کے لیے مشعل راہ ہیں۔

5۔ دورِ حاضر میں بین الاقوامی سطح پر بدلتے ہوئے حالات اور ہر ریاست کی بڑھتی ہوئی ترجیحات، بدلتے ہوئے ادوار اور جغرافیائی حالات میں اسلامی خارجہ امور کے بنیادی اصول کماحقہٗ مکمل راہنمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

[1] ۔البقرۃ02: 02

Al-Baqarah 2:2

[2] -FN 169 H.G Wells,A Short History of the World.(London,1924)PP.144

[3]۔ مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، ص:263

Mubārakpurī, Ṣafī al-Reḥmān, al-Raḥīq al-Makhtūm, pg. 63

[4]۔المائدہ06: 02

Al-Mā'idah, 6:2

[5]۔البقرۃ02: 177

Al-Baqarah 2:177

[6]۔الحجرات49: 10

Al-Ḥujurāt 49:10

[7]۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب المظالم والغضب، باب نصر المظلوم، رقم الحدیث:2266 ، الجامع ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسیٰ، مترجم: علامہ بدیع الزمان، جلد:1، ص673، اشاعت:1988ء، لٹل سٹار پرنٹرز لاہور۔

Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā'īl, kitāb al-Mazalim wa al-Ghazab, Bāb Nasr al-Mazlum, no. 2266; al-Jāmi' al-Tirmidhī, abu 'Īsā Muḥammad ibn 'Īsā, Translation Allāma Badī' al-Zamān, Vol. 2, pg. 673, published 1988AD, Litltle star Printers, Lahore.

[8]۔آل عمران:3:10

Al-'Imrān 3:10

[9]۔بنی اسرائیل:17:24

Banī Isrā'il, 17:24

[10] ۔سیالکوٹی، جاوید اقبال، مسلم کون؟، نظر ثانی: حافظ عبد المنان نورپوری، الجامعہ المحمدیہ، سیالکوٹ، طبع اول:2003۔

Siālkotī, Javed Iqbāl, Muslim kon thā? Reviewed edition, Ḥāfiz Abdul Mannān Nūrpūrī, al-Jāmi'ah al-Muḥammadiyah, Siālkot, 1st edition 2003.

[11]۔ آل عمران3:64

Al-'Imrān 3:64

[12]۔البخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب بدء الوحی، باب حدثنا حکیم بن نافع، حدیث:7، المسلم، امام مسلم بن الحجاج، کتاب النبی الی ھرقل وملک شام بدعوہ الی الاسلام، حدیث:4607۔

Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā'īl, kitāb Bada' al-Waḥy, Bab Ḥākim ibn Nāfi', no. 7; al-Muslim, Imam Muslim ibn al-Ḥajjāj, No, 4607

[13]۔معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع، ص:87، سن اشاعت:1998، مکتبہ فرید بکڈپو، دھلی۔

Mu'ārif al-Qur'ān, Muftī Muḥammad Shafī', pg. 87, published 1988AD, Maktabah Farīd Book dpt. Delhi.

[14]۔یوسف12:39

Yūsuf, 12:39

[15]۔ آل عمران2:103

Al-'Imrān 3:103

[16]۔ محمد رسول اللہ ﷺ، ڈاکٹر حمید اللہ، ترجمہ نذیر حق، نقوش، جلد2، ص:544۔

Muḥammad SAW Rasūlullah, Dr. Ḥamīdullah, Translation Nazīr Haq, Nuqūsh vol. 2, pg. 544

[17]۔ الاحزاب33 : 40

Al-Aḥzāb 33:40

[18]۔ الانبیاء21 : 107

Al-Anbiyā' 21:107

[19]۔ سبا34 : 28

Saba' 34:28

[20]۔النور24 :55

Al-Nūr 24:55

[21]۔مسند احمد، امام احمد بن حنبل،

Musnad Aḥmad, Imam Aḥmad ibn Ḥanbal

[22]۔المائدۃ 05 : 16

Al-Mā'idah, 5:16

[23]۔اسلام ہمارا دین، کوثر نیازی، ص:73-74

Islam Hamāra Din, Kawthar Niyāzi, pg. 73-74

[24]۔ T.V chenal Agahi plus.com

[25]۔المائدۃ05: 32

Al-Mā'idah 5:32

[26]۔ابن کثیر

Ibn Kathīr

[27]۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الدیات، باب:2، حدیث:6871۔

Al-Bukhārī, al-Diyat, Bāb 2, Ḥadīth 6871

[28]۔الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد:1، ص:129، المنتظم، ابن الجوزی، جلد:2، ص:311۔

Al-Ṭabaqāt al-Kubrā, ibn Saad, vol.1, pg. 129; al-Muntazim, Ibn al-Jawzī, vol.2 pg 311

[29]۔دور نبوی کا نظام حکومت، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص:79۔

Dor Nabwī ka Nizām Ḥukūmat, Dr. Ḥamīdullah, pg. 79

[30]۔کتاب الاموال، ابو عبید بن سلام، :262، رقم:518۔کتاب الاموال، حمید بن زنجویہ، 2:468، رقم 75، السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، 3:33

Kitāb al-Amwāl, Abu Ubaid Qāsim bin Sallām, 262, no. 518, Kitāb al-Amwāl, Ḥamīd ibn Zanjawayh, 2:468, no. 72; al-Sīrah al-Nabawiyah, ibn Hishām, 3:33

[31]۔حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، دور نبوی کا نظام حکمرانی، ص:81۔

Dor Nabwī ka Nizām Ḥukūmat, pg 81

[32]۔ھیکل، محمد حسین، حیات محمد، ص:353۔

Haykal, Muḥammad Ḥussain, Ḥayāt Muḥammad, pg. 353

[33]۔مبارکپوری، مولانا صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص:263۔

Al-Raḥīq al-Makhtum, pg. 263

[34]۔الانفال08 : 60

Al-Anfāl, 8:60

[35]۔المائدہ5:01

Al-Mā'idah, 5:1

[36]۔الاسراء17: 34

Al-Isra', 17:34

[37]۔الانفال8: 56-58

Al-Anfāl 8:56-58

[38]۔الانفال08: 62

Al-Anfāl, 8:62

[39]۔ابن ہشام، 3:325، ابن قیم، زاد المعاد:2:526۔529۔

Ibn Hishām, 3:325; Ibn Qayyim, Zād al-Mi'ād, 2:526-529

[40]۔ابن ہشام، 3:325، ابن قیم، زاد المعاد:2:526۔529۔

Ibid,

[41]۔الروض الانف:6:468

Al-Rawḍ al-Unf, 6:468

[42]۔النساء04 : 01

Al-Nisā', 4:1

[43]۔الممتحنۃ 60: 09

Al-Mumtaḥinah, 60:9

[44]۔مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، منصورہ، لاہور

Mawdūdī, Abu Al-A'lā, Tafhīm al-Qur'ān, Mansurah Lahore

[45]۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ:2:188۔

Al-Sīrah al-Nabawiyyah, 2:188

[46]۔اہل مدینہ کسی ایک فرد کو حکمران بنانے پر آمادہ ہو چکے تھے، ایک جماعت اس سلسلہ میں عبد اللہ بن ابی سلول کو بادشاہ بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ملاحظہ ہو: البخاری، الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل، کتاب الاستیذان، حدیث:6254۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ:2:334۔338

Al-Bukhārī, Kitāb al-Istizān, no. 6254, Al-Sīrah al-Nabawiyyah, 2:334-338

[47]۔محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، ص:80

Dor Nabwī ka Nizām Ḥukūmat, pg 80

[48]۔رئیس احمد جعفری، حضور بحثیت سپہ سالار، ص:88۔89

Ra'īs Aḥmad Ja'frī, Ḥuzur Ba-Ḥaysiyat Sipā Sālār, pg. 88-89

[49]۔ڈاکٹر حمید اللہ، محمد رسول اللہ، نقوش، جلد:2، ص:622

Nuqush, vol. 2, pg. 622

[50]۔ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:224

Rasūlullah ki Siyāsi Zindagī, pg. 224